جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس نے اللہ کا شریک نہ ٹھہرایا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ مولانا کے نزدیک اس روایت کے الفاظ مجمل ہیں جس سے حدیث کے اہم حصے نظر انداز ہوگئے ہیں اور یہ مضمون پیدا ہوگیا ہے کہ محض توحید کا اقرار فلاح کے لئے کافی ہے۔ اصل روایت میں جو حضرت انس ہی کے ذریعہ سے آئی ہے مفصل بھی موجود ہے۔ اس میں توحید کے علاوہ محمد رسول اللہ پر ایمان کا ذکر بھی ہے اور صدق دل سے ماننے کا بھی۔ اس سے خود بخود یہ بات نکلتی ہے کہ جو شخص اپنے اقرار کے لوازم، مقتضیات اور مطالبوں کو بھی پورا کرے گا وہ جنت میں جائے گا اس طرح کی روایات میں ہمیشہ احادیث پر مجموعی نظر ڈال کر جامع روایات کی روشنی میں حدیث کا مفہوم متعین کرنا چاہئے۔ (۱۴)

ان مثالوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مولانا کی حدیث فہمی کا انداز بالکل منفرد ہے۔ وہ متن حدیث کے ایک ایک لفظ اور ٹکڑے پر غور کرتے اور اس کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور یہ متعین کرنا چاہتے ہیں کہ واقعتاً روایت کا کتنا حصہ صحیح ہے۔ اور کس حصہ کی روایت میں کوئی خامی رہ گئی ہے۔

درس کی شکل میں مولانا کی خدمت حدیث تیرہ برس جاری رہی۔ اس دوران میں انھوں نے موطاامام مالک تقریباً مکمل پڑھائی اور صحیح بخاری کا درس کتاب الوحی سے کتاب الوضو تک اور اس کے بعد کتاب البیوع سے کتاب الشہادات تک دیا۔ نوے برس کی عمر میں جب ضعف پیری میں اس قدر اضافہ ہوگیا کہ مولانا آدھ گھنٹہ درس میں بھی زحمت محسوس کرنے لگے تو سلسلہ درس ختم ہوگیا۔ چونکہ تمام درس ٹیپ کر لئے جاتے تھے اس لئے ان کو تحریر میں لانے کا کام مولانا کی حیات ہی میں شروع ہوگیا اور مبادی تدبر حدیث چھپ گئی۔ دروس کا معتدبہ حصہ رسالہ تدبر میں شائع ہو چکا ہے۔ اور باقی ایڈیٹنگ کے مراحل میں ہے۔ تکمیل کے بعد یہ دروس انشاء اللہ حدیث کے طالب علموں کے لئے نہایت قیمتی رہنمائی مہیا کرنے کا باعث ہوں گے۔

حوالہ جات

۱۔ امین احسن اصلاحی، مبادی تدبر حدیث ص ۱۵

۲۔ تعارف ادارہ تدبر قرآن وحدیث ص ۱۵

۳۔ مبادی تدبر حدیث، ص ۱۶۔۱۷

۴۔ مبادی تدبر حدیث، ص ۱۹

۵۔ مبادی تدبر حدیث، ص ۲۴

۶۔ مبادی تدبر حدیث، ص ۲۸

۷۔ مبادی تدبر حدیث، ص ۲۸

۸۔ مبادی تدبر حدیث، ص ۲۹

۹۔ مبادی تدبر حدیث، ص ۲۷

۱۰۔ مبادی تدبر حدیث، ص ۴۰

۱۱۔ مبادی تدبر حدیث، ص ۴۶

۱۲۔ مبادی تدبر حدیث، ص ۵۰

۱۳۔ مبادی تدبر حدیث، ص ۵۲

۱۴۔ مبادی تدبر حدیث، ص ۵۱

مولانا امین احسن اصلاحیؒ اور انکی تصانیف

نسیم ظہیر اصلاحی غازی

مولانا امین احسن اصلاحی علیہ الرحمۃ علوم اسلامیہ سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ زبان وادب پر ان کو کامل عبور اور عربی علوم میں رسوخ حاصل تھا۔ بلاغت پر بڑی گہری نظر تھی۔ جاہلی دواوین اور عربی اسالیب پر حاوی تھے۔ صحف سماویہ کا بڑا وسیع مطالعہ تھا۔ فہم و فراست، ذہانت و ذکاوت، نیک نفسی و بلند ہمتی، خودداری و غیرت مندی کی اعلی مثال تھے۔ دنیا اور ابنائے دنیا سے بے نیازی ان کا طرہ امتیاز تھا۔ ان کی ساری دلچسپیوں اور عرق ریزیوں کا اصل محور قرآن مجید تھا۔ جدھر بھی نظر اٹھائی قرآن مجید کی روشنی میں دیکھا۔ جو کچھ بھی کہا اور لکھا قرآن حکیم سے اس کی تائید و تصویب پیش کی۔ علم و نظر کے ہر بند دروازے کو قرآن مبین کی کلید سے واکیا۔ اسی کی کسوٹی پر اسے پرکھا اور جانچا، اس طرح فہم قرآن اور تفسیر قرآن کے میدان میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔

چنانچہ ان کا شمار بر صغیر ہندوپاک کے ممتاز علماء، نامور مصنّفین، سحر آفریں مقررین، صف اول کے قائدین اور مایہ ناز مفسرین میں ہوتا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد پاکستان منتقل ہوگئے اور ایک طویل عرصہ تک اس نئی مسلم ریاست کے اندر دعوت و دین کا فریضہ انجام دیتے اور وہاں کی تحریک اسلامی کا مضبوط ستون بنے رہے۔ اس طرح عوامی و سماجی اصلاح کی کوششوں کے ساتھ ساتھ، اس نئی مملکت کی صحیح اسلامی خطوط پر تعمیر کی جدو جہد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مگر اس طویل اور ہنگامہ خیز مدت میں قرآن مجید کی علمی خدمت سے کبھی غافل نہیں رہے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے

کہ انھوں نے پورے قرآن مجید کی اردو زبان میں ایسی عالمانہ و محققانہ تفسیر لکھی جس کی کوئی نظیر قدیم وجدید ذخیرۂ تفاسیر میں شاید ہی مل سکے۔

مولانا اصلاحیؒ کی یہ خوش قسمتی رہی کہ ان کو ابتدائے عمر ہی میں ایک ایسے ماہر مفسر قرآن کی شاگردی کا شرف حاصل ہو گیا۔ جو در حقیقت انیسویں صدی کا ''ترجمان القرآن'' تھا۔ اور دنیا جسے حمید الدین فراہیؒ کے نام سے جانتی ہے۔ مولانا اصلاحیؒ کی عالمانہ و مفسرانہ شخصیت کی تعمیر و تشکیل امام فراہیؒ کے ہاتھوں ہوئی۔ مولانا اصلاحی کو امام فراہیؒ سے بھرپور استفادہ کا موقع ملا۔ وہ امام فراہیؒ کے روایتی معنوں میں شاگرد نہیں ہیں۔ بلکہ انہوں نے صحیح معنوں میں امام فراہیؒ کی عالمانہ و مفکرانہ شخصیت کو اپنے اندر اتار لیا تھا اور تمام عمر انہی کے فکری مرکز و محور کے گرد اپنا علمی و فکری سفر جاری رکھا۔ جس سے فکر فراہی کی روح، ان کے فکر میں سمٹ آئی۔ مولانا اصلاحیؒ نہایت فراخدلی کے ساتھ جگہ جگہ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں :

''میرا فکر میرے استاذ کے فکر سے کوئی الگ چیز نہیں ہے بلکہ استاذ مرحوم ہی کے فکر کی توضیح و تکمیل ہے''(۱)

امام حمید الدین فراہیؒ نے قرآن مجید میں فکر و تدبر اور اس کی تعبیر و تاویل کی جو خاص طرح ڈالی ہے اور اب جس کو ''فراہی اسکول'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کے اصول و مبادی کو قابل فہم اور لائق عمل بنانے میں جن چیدہ حضرات نے کاوشیں کی ہیں، ان میں مولانا اصلاحیؒ کی خدمات غالب ترین بھی ہیں اور روشن ترین بھی۔

امام فراہیؒ کے انتقال کے بعد ان کے مسودات کو ایڈٹ کر کے شائع کرنے اور ان کے افکار سے دنیائے علم کو روشناس کرانے کی غرض سے ''دائرہ حمیدیہ'' کے نام سے مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں ایک ادارہ قائم کیا گیا۔ جس کے روح رواں مولانا اصلاحی تھے۔ دائرہ کا ایک ماہنامہ ترجمان، ''الاصلاح'' بھی جاری ہوا۔ جس کے مدیر مولانا اصلاحیؒ بنائے گئے۔ یہ رسالہ زیادہ تر ایسے مضامین پر مشتمل ہوتا جن میں یا تو امام فراہی کے افکار کی تشریح و ترجمانی کی گئی ہوتی یا ان کے کسی مضمون یا کسی غیر مطبوعہ

کتاب کے اقتباس کا ترجمہ ہو''۔ مولانا اصلاحی نے اس رسالہ میں کثرت سے لکھا۔ ان کی سب سے پہلی تصنیف ''تدبر' جواب بعض اضافوں کے ساتھ ''مبادی تدبر قرآن'' کے نام سے چھپی ہے۔ اس کے مباحث ''تیسیر قرآن'' کے عنوان سے ''الاصلاح'' کے صفحات ہی کے ذریعہ پہلی بار منظر عام پر آئے۔ امام فراہی کے افکار و نظریات کی ترجمانی کے علاوہ ان کی بعض کتابوں اور ان کی تفسیر ''نظام القرآن'' کا پورا پورا اردو ترجمہ بالاقساط مولانا نے شائع کیا اور دنیائے علم کو امام فراہیؒ کے نظریۂ نظم قرآن اور ان کے عظیم الشان علمی ورثہ سے آگاہ کرایا۔ آج بر صغیر کی علمی دنیا پر امام فراہی کے جو علمی و فکری اثرات پائے جاتے ہیں وہ بڑی دور تک مولانا اصلاحی کی کوششوں کے مرہون منت ہیں۔ اب یہ فکر بر صغیر ہندوپاک سے نکل کر عرب جامعات اور مغربی ممالک کی یونیورسٹیز تک پہنچ چکا ہے۔ دور دراز کے ان علمی حلقوں تک اس فکر کی رسائی میں مولانا اصلاحی کی تفسیر ''تدبر قرآن'' اور ان کی دوسری تحریروں کا غالب اور نمایاں کردار ہے۔

مولانا اصلاحی دینی، دعوتی اور ملی سرگرمیوں میں ہمیشہ مصروف رہے۔ ایسی مصروف زندگی میں کسی قابل ذکر علمی خدمت کی انجام دہی بالعموم مشکل ہوتی ہے۔ مگر بعض شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو قدرت کی طرف سے خاص فیضان عطا ہوتا ہے اور وہ تمام تر مصروفیتوں اور ہنگاموں کے باوجود انتہائی گرانقدر اور بے مثال علمی و تحقیقی خدمت انجام دے جاتی ہیں۔ مولانا اصلاحی بھی انہیں مخصوص لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے خدمت قرآن کی خاص توفیق ارزاں ہوئی۔ انھوں نے گذشتہ نصف صدی میں اہم عصری تقاضوں کے پیش نظر تقریباً ڈھائی درجن ایسی جید تصانیف، اہل علم کے سامنے پیش کی ہیں جو انکی علمی لیاقت، تحقیقی و تصنیفی صلاحیت، فکری رفعت، اجتہادی بصیرت اور تبحر فی القرآن کا پتہ دیتی ہیں۔

مولانا کی تصانیف کا اصل موضوع یوں تو قرآن مجید ہے مگر اس کی دو اہم شاخیں، حدیث و فقہ بھی ان کی قلمرو سے باہر نہیں ہیں۔ انھوں نے ان موضوعات کی

قابل قدر خدمت انجام دی ہے اور کچھ نئے نشانات راہ قائم کئے ہیں جن سے اس راہ کے مسافر کو بڑی مدد مل سکتی ہے۔ فلسفہ، سیاست اور تصوف پر بھی خاطر خواہ کام کیا ہے۔

مولانا اصلاحیؒ اپنی تفسیر "تدبر قرآن" کی تسوید و تالیف سے فارغ ہو کر، حدیث کی خدمت کے لئے خود کو فارغ کرنا چاہتے تھے اور ابتداً ان کے پیش نظر یہ بات تھی کہ صحاح ستہ میں سے کسی ایک کتاب کی شرح لکھیں۔ جس میں حدیث پر کام کرنے کے روایتی انداز سے ہٹ کر تحقیق حدیث کے فطری اصول مد نظر رکھے جائیں۔ روایت کے الفظ، موقع و محل، سیاق و سباق، نظائر و شواہد، اور قرآن مجید کے ساتھ اس کی موافقت اور عدم موافقت کے پہلو سے اس پر غور کیا جائے۔ لیکن جب وہ "تدبر قرآن" کی تکمیل سے فارغ ہوئے (۱۲/ اگست ۱۹۸۰ء مطابق ۲۹/ رمضان ۱۴۰۰ھ) تو وہ عمر کی اس منزل پر پہنچ چکے تھے جب آدمی کسی نئے محنت طلب کام کے لئے اپنے اندر حوصلہ نہیں پاتا۔ چنانچہ مولانا کو اپنا ارادہ موقوف کرنا پڑا۔ مگر بایں ضعف و پیری، ہمت ہار کر یکدم بیٹھ نہ رہے، بلکہ کچھ حوصلہ مند نوجوان افراد کو ساتھ لے کر ایک کارواں تشکیل دیا اور "ادارہ تدبر قرآن و حدیث" قائم کیا۔ رفقاء کار میسر آجانے کے بعد مولانا نے قرآن و حدیث پر غور و تدبر کے اصول کی نشاندہی اور وضاحت کے لئے لکچرز کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ ان اصولی مباحث کے بعد مولانا نے قرآن مجید کا ہفتہ وار تحقیقی درس، نیز حدیث کی تعلیم کے لئے مؤطا امام مالک کی تدریس شروع کی۔ جس میں مولانا نے کسی خاص فقہی مسلک سے ہم آہنگی کے بجائے انہی اصولوں کو مد نظر رکھا جو انھوں نے اپنے لکچرز میں واضح کئے تھے۔

مولانا اصلاحی نے "ادارہ تدبر قرآن و حدیث" کے رفقاء کو موطا امام مالک تقریبا مکمل پڑھائی ہے۔ بخاری شریف کا درس دے رہے تھے کہ صحت جواب دے گئی اور یہ مبارک سلسلہ رک گیا۔ انھوں نے دروس کے ذریعہ احادیث اور روایات کو قرآن کی محکمات کی روشنی میں اور ان کے تابع لاکر سمجھنے کا انداز پیش کیا۔ صحیح بخاری

کے بعض مشکل مقامات میں ان کی بعض تعبیریں بالکل اچھوتی، نہایت بے تکلف اور انداز تحقیق بڑا فطری اور موثر ہے۔ موطا کے دروس میں مولانا نے عملاً یہ بتایا ہے کہ فقہ پر تحقیق کا کیا اندز ہونا چاہیئے۔ مولانا کو حدیث و فقہ پر کام کرنے کا موقع بہت کم ملا ورنہ تفسیر کی طرح اس میدان میں بھی اپنے منفرد اور بے لاگ اصول بحث و تحقیق کی بنا پر امت میں امتیازی واجتہادی شان کے ساتھ جلوگر نظر آتے۔

مولانا اصلاحیؒ کا قائم کردہ "ادارہ تدبر قرآن و حدیث" (۲) اصلاً ایک علمی و تحقیقی ادارہ ہے۔ جس میں قرآن و سنت کی تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف کا کام ہوتا ہے۔ مولانا اصلاحی اس ادارے کے روح رواں تھے۔ اس ادارہ کی ساری علمی سرگرمیاں انہی کی ذات سے مربوط رہیں۔ اس ادارہ کا ایک سہ ماہی آرگن "تدبر" بھی جاری ہوا جس کے سرپرست مولانا اصلاحی رہے اور مدیران کے شاگرد رشید جناب خالد مسعود صاحب ہوئے۔ جن کی ادارت میں یہ رسالہ اب بھی بحسن وخوبی نکل رہا ہے۔ یہ رسالہ زیادہ تر فکر فراہی و اصلاحی کے مطابق قرآنی تحقیقات اور مباحث و مقالات پر مشتمل ہوتا ہے۔ مولانا کے لیکچرز اور دروس بھی اس میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ مولانا نے قرآن و حدیث پر تدبر کے بنیادی اصول سے متعلق جو طویل لیکچرز دیئے تھے اور اب کتابی شکل میں شائع بھی ہو چکے ہیں، وہ بھی اس رسالہ میں مختلف عنوان سے بالاقساط شائع ہو چکے ہیں۔

اخیر عمر میں ہاتھ میں کچھ تکلیف پیدا ہو جانے کے سبب مولانا خود کچھ لکھنے سے معذور ہو گئے تھے۔ مگر پھر بھی ان کا تصنیفی و تحقیقی سفر جاری رہا۔ جس کی شکل یہ ہوتی کہ "ادارہ تدبر قرآن و حدیث" کے رفقاء، مولانا کے دروس و تقاریر کو ٹیپ کر کے تحریری کی صورت میں مرتب کرتے۔ پھر ایک موضوع پر تیار شدہ مواد "رسالہ تدبر" میں شائع کیا جاتا اور جب اس کی تکمیل ہو جاتی تو اسے کتابی شکل میں شائع کر دیا جاتا۔ مولانا کی اہم تصنیف "فلسفہ کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں" اور حدیث کے موضوع پر ان کی شاہکار کتاب "مبادی تدبر حدیث" اسی طرح مدون ہو کر

منظر عام پر آئی ہیں۔ موطا اور بخاری کے دروس بھی ٹیپ میں محفوظ ہیں اور بالاقساط "تدبر" میں شائع ہورہے ہیں۔

تصانیف اصلاحی

کسی عالم و مصنف کی قدر و قیمت کا اندازہ بعد کے ادوار میں اس کی کتابوں کی افادیت و جامعیت سے لگایا جاتا ہے۔ یہی چیز مصنف کو حیات جاوید عطا کرتی اور اگلوں کی نظر میں اس کے احترام و وقار کا سبب بنتی ہے۔ اس لئے ضرورت ہے مولانا کی تصانیف کا اس نقطۂ نظر سے جائزہ لینے کی کہ ان میں وہ صلاحیت و خصوصیت موجود ہے، جو تشنگان علم کی سیرابی کا سامان فراہم کر سکے، وقت کے چیلنجز اور فتنوں کو للکار سکے اور منارۂ نور بن کر علم و تحقیق کی دنیا کو منور کر سکے؟ اس قسم کے جائزہ کے لئے دفتر درکار ہے۔ کوئی مختصر مقالہ اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ ان کی ہر تصنیف ایک مستقل مقالہ کی متقاضی ہے۔ اس لئے یہاں تصانیف اصلاحی کے محض سرسری تعارف پر اکتفا کیا جارہا ہے۔ مگر اس سرسری تعارف سے بھی ان کی قدر و قیمت اور جامعیت و معنویت کی ایک جھلک انشاء اللہ ضرور سامنے آجائے گی۔

۱۔ **تدبر قرآن :** یہ قرآن کریم کی مکمل تفسیر ہے۔ نو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور تیئیس برس کی طویل مدت اس کی تکمیل میں صرف ہوئی ہے۔ اس میں قرآن مجید کی شان ایک ایسی کتاب کی حیثیت سے نمایاں ہوتی ہے، جس میں ہر آیت دوسری آیت سے اور ہر سورہ دوسری سورہ سے معنیٰ و مفہوم کے اعتبار سے اس طرح ہم آہنگ اور مربوط ہے کہ ہر سورہ ایک حکیمانہ خطبہ یا ایسا مرتب کلام نظر آتا ہے جس کا ایک متعین مرکزی موضوع یا عمود ہے اور جملہ سورتیں کتاب کے ابواب کی طرح ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید کا فلسفہ، اس کے قوانین، ان کی حکمت، کلام کا حسن، اس کی رعنائی، اس کے ادب کی بلندی اور رسول ﷺ کے کار دعوت کے ساتھ اس کی مطابقت اور قدم بقدم رہنمائی۔ ان تمام چیزوں کی مصنف نے بہت خوبی سے وضاحت کی ہے۔ پوری تفسیر کے مطالعہ کے دوران کہیں بھی یہ

بات محسوس نہیں ہوتی کہ مصنف کسی خاص نقطۂ نظر یا فلسفے کا قائل ہے اور اسے قرآن مجید سے ثابت کرنا چاہتا ہے۔

قرآن مجید کے تعلق سے ہمارے متقدمین و متاخرین علماو مفسرین اور محققین کا یہ عام رویہ ہے کہ تفسیر کے نقطۂ نظر سے قرآن مجید میں آیات و سور کی ترتیب کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ چنانچہ ہمارے مفسرین اپنی تفسیروں میں آیات کی تفسیر اس انداز سے نہیں کرتے جس سے ان کا ربط و تعلق ما قبل و مابعد کی آیات سے ظاہر ہوتا ہو، یا ان میں کسی خاص قسم کا نظم و ربط محسوس ہوتا ہو۔ گو بہت سے قدیم و جدید علماء نظم کے قائل رہے ہیں اور اپنی تفسیروں میں اس کو ملحوظ رکھنے کی کوشش بھی کی ہے۔ مگر ان علماء میں سے کسی نے بھی پورے قرآن مجید کو ایک منظّم کتاب کے طور پر پیش نہیں کیا ہے اور نہ قرآن مجید میں نظم کے پہلوؤں کو اطمینان بخش طور پر اجاگر ہی کیا ہے کہ وہ اپنی ہیئت و ترکیب اور معنی و مواد دونوں اعتبار سے ایک منظّم کلام معلوم ہو۔ یہ کارنامہ فی الواقع مولانا اصلاحی نے اپنی تفسیر "تدبر قرآن" میں انجام دیا ہے۔ ان کے یہاں نظم کے اصطلاحی معنی بنیادی طور پر اس سے بہت مختلف ہے جو پیش رو مفسرین نے مراد لئے ہیں۔

مولانا اصلاحی نے اپنے تصور نظم کے اصول، اپنے استاد امام حمید الدین فراہیؒ سے لئے ہیں اور حتی الوسع اپنی تفسیر میں انھیں ملحوظ رکھنے کی کوشش بھی کی ہے۔ علمائے متقدمین اور امام فراہی کے تصور نظم میں فرق یہ ہے کہ ان ائمہ کے نزدیک قرآن مجید میں نظم کے معنی محض مناسبت یا تناسب کے ہیں۔ جسے انھوں نے اپنی تفسیروں میں آیات و سور کے درمیان دکھایا ہے، جبکہ امام فراہی و اصلاحی کے نزدیک "مناسبت" نظم کا ایک جز ہے۔ اس کے باقی دو اجزا "ترتیب" اور "وحدانیت" ہیں۔ یعنی کسی کلام کو منظّم اس وقت کہا جا سکتا ہے جب اس میں ترتیب اور تناسب ہو، نیز وہ کلام اپنی ترتیب اور اجزاء کے تناسب کے ساتھ ساتھ اپنے اندر معنی کی وحدت بھی رکھتا ہو یا دوسرے لفظوں میں وہ ایک مرکزی موضوع یا عمود کے تحت ہو۔

قرآن مجید میں اس نوعیت کے نظم کی دریافت کا سہرا اگرچہ امام فراہی کے سر ہے لیکن مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے اس میں جزوی تنقیح و تغیر کے ساتھ بعض قابل لحاظ اضافے بھی کئے ہیں اور اپنے استاد کے تصور نظم کو پورے قرآن مجید پر منطبق کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ جو بجائے خود بہت بڑا کارنامہ ہے۔ کیونکہ چند چھوٹی سورتوں کے علاوہ اس قسم کے نظم کی دریافت کے لئے ان کے سامنے اپنے استاذ کا پیش کیا ہوا کوئی نمونہ نہیں تھا۔ اس لئے مولانا اصلاحی کی اس تفسیر کو امام فراہیؒ کے افکار و خیالات کا اعادہ قرار دے کر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ مولانا اصلاحی نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ قرآن پر غور و فکر کرنے میں گزارا ہے۔ خود انہیں کے الفظ میں : انہوں نے

"قرآن حکیم کی ایک ایک سورہ پر ڈیرے ڈالے ہیں ایک ایک آیت پر فکری مراقبہ کیا ہے اور ایک ایک لفظ اور ایک ایک ادبی یا نحوی اشکال کے حل کے لئے ہر اس پتھر کو الٹنے کی کوشش کی ہے جس کے نیچے کسی سراغ کے ملنے کی توقع ہوئی ہے۔ (۳)"

سرسری طور پر زیر نظر تفسیر خصوصیات ذیل کی حامل ہے :

الف : مولانا اصلاحی کا طریقہ تفسیر، مطالعہ قرآن یا دوسرے لفظوں میں "تفسیر القرآن بالقرآن" کے اصول پر مبنی ہے۔ ان کے نزدیک نظم قرآن، سیاق و سباق اور نظائر و شواہد کا لحاظ تفسیر قرآن کا ایک ناگزیر ذریعہ ہے۔

ب : مولانا اصلاحی کا تصور نظم بہت ہی جامع اور نظم کے قائل تمام دوسرے مفسرین سے منفرد ہے۔ اس میں سیاق و سباق کا لحاظ رکھتے ہوئے آیات کی حتمی واحد تاویل کی جاسکتی ہے۔ جبکہ دوسرے تصور نظم کے تحت یہ ممکن نہیں۔

ج : مولانا اصلاحی نے نظم قرآن کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بیان کی ہے کہ سورتوں کی تقسیم و ترتیب، مضامین کی بنیاد پر ہے۔ ان مضامین کے بعض پہلو مکی دور میں واضح کیئے گیئے اور بعض دوسرے پہلو مدنی دور کے حالات میں اجاگر کئے گئے۔ لہذا مضامین کی تکمیل مکی اور مدنی سورتیں ملا کر کرتی ہیں اسی لئے مدنی سورتوں کا قرآن

مجید میں یکجانہ ہونا اس کی منطقی ضرورت ہے۔

د: مولانا اصلاحی نے قرآن مجید کی سورتوں کو سات گروپ میں تقسیم کیا ہے۔ ان میں سے ہر گروپ ایک یا ایک سے زائد مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور ایک یا ایک سے زائد مدنی سورتوں پر تمام ہوتا ہے۔ ہر گروپ میں پہلے مکی سورتیں ہیں ان کے بعد مدنی سورتیں، یعنی ہر گروپ میں مکی اور مدنی سورتوں کا واضح بلاک ہے۔ مکی بلاک میں کوئی مدنی سورہ نہیں اور مدنی بلاک میں کوئی مکی سورہ نہیں۔

ھ: مولانا اصلاحی نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ ہر سورہ اپنی جگہ ایک وحدت ہے اور اس کا ایک علیحدہ عنوان، موضوع (عمود) ہے۔ لیکن اس کے اندر بیان شدہ مضامین کی تکمیل اس سے متصل دوسری سورہ کے مضمون سے ہوتی ہے۔ اس طرح ہر سورہ زوج زوج ہے۔ یعنی ہر سورہ اپنا جوڑا اور مثنی بھی رکھتی ہے۔ ایک میں جو خلا ہوتا ہے دوسری اس کو بھرتی ہے۔ ایک میں جو پہلو مخفی ہوتا ہے دوسری اس کو اجاگر کرتی ہے۔ اس طرح دونوں چاند اور سورج کی شکل میں نمایاں ہوتی ہیں۔

و: تفسیر تدبر قرآن، قرآن مجید کے ساتھ ایک ایسا صوری شکوہ منسوب کرتی ہے جو اس سے قبل کبھی نہیں منسوب کیا گیا۔

ز: مولانا اصلاحی نے یہ تصور نظم اور اس کے دریافت کا طریقہ اگرچہ اپنے استاد امام فراہی سے لیا ہے۔ مگر اس کو پورے قرآن مجید پر منطبق کر کے ایک ایسا کارنامہ انجام دیا ہے کہ امام فراہی بھی شاد ہونگے کہ ان کے شاگرد نے ان کے ایک تصور اور نظریہ کو پورے قرآن مجید کی تفسیر لکھ کر نہایت موثر انداز میں عملاً ثابت کر دیا ہے۔

مستشرقین کا ہمیشہ سے یہ محبوب مشغلہ رہا ہے کہ قرآن مجید کو ایک بے ربط اور وحدت فکر سے عاری تصنیف قرار دیں۔ وہ اپنے طور پر اس کی ترتیب کو زیادہ مربوط اور بامقصد بنانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے قرآن مجید کے بعض نسخے سورتوں کی ترتیب کو الٹ پلٹ کر شائع کئے تھے اور یہ دعوی کیا کہ اس ترتیب پر قرآن

کی تدوین زیادہ سائنٹفک ہے۔ مستشرقین کی طرف سے قرآن مجید پر اس الزام کے جواب میں ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی یہ ترتیب منجانب اللہ ہے اور نبی ﷺ سے لیکر ابتک امت مسلمہ نے اس کو محفوظ رکھا ہے۔ ظاہر ہے یہ جواب مسلمانوں کو تو قائل کر سکتا تھا لیکن مخالفین اسلام نے اس کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ انھوں نے اپنی لے اس قدر بڑھائی کہ مسلمانوں کے بعض طبقے بھی ان کی ہمنوائی کرنے لگے۔ تفسیر "تدبر قرآن" نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ قرآن مجید معنوی لحاظ سے بھی انتہائی مربوط کتاب ہے۔ اس کا نظم انتہائی سائنٹفک اور بامقصد ہے۔ اس میں ایک شوشے کا الٹ پھیر بھی اس کے نظم کے حسن کو غارت کر سکتا ہے۔ اس لئے ترتیب قرآن کی قدیم صورت کو بدلنے کے مشورے محض بدنیتی اور اسلام دشمنی پر مبنی ہیں۔

۲۔ مبادی تدبر قرآن : یہ کتاب اصول تفسیر پر ایک ممتاز اور شاہکار تصنیف ہے جو ڈھائی سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہ کتاب پہلے "تدبر قرآن" کے نام سے شائع ہوئی تھی اور شاید مولانا کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔ اس لئے کہ اس کے بیشتر مباحث "الاصلاح" میں قسط وار شائع ہو چکے ہیں۔ بعد میں بعض اور مضامین کا اضافہ کر کے "مبادی تدبر قرآن" کے نام سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کی قدر و قیمت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ مولانا اس کو اپنی تفسیر کا مقدمہ بنانا چاہتے تھے اور اسی ارادے سے اسے مرتب بھی کیا تھا۔ مگر پھر اپنی رائے تبدیل کر دی اور تفسیر کے لئے الگ سے مقدمہ لکھا جو بجائے خود ایک اہم تصنیف ہے۔ مولانا نے زیر نظر کتاب میں اپنے اصول تدبر قرآن اور طریق تفسیر کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے تفسیر "تدبر قرآن" کے ان اصولوں سے واقفیت ہوگی جو انھوں نے اپنی تفسیر میں ملحوظ رکھا ہے، جنھیں اپنے استاذ سے سیکھا تھا اور جن کے سبب مفسرین امت میں ان کو نمایاں امتیاز حاصل ہوا۔ یہ کتاب فہم قرآن کے لئے بہترین رہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔

۳۔ فلسفہ کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں : یہ کتاب اپنی

نوعیت کی ایک منفرد تصنیف اور اعلی تحقیق مذاق کی آئینہ دار ہے۔ اسمیں مولانا کی علمی و تنقیدی شان اور انفرادی رنگ پورے طور پر نمایاں ہے۔ مولانا جب اس کتاب کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو اس وقت وہ اپنی عمر کے پچاسی سال پورے کرر ہے تھے۔ اس بوڑھاپے میں جبکہ ہاتھ کی تکلیف کے سبب مطالعہ بالخصوص لکھنے سے بالکلیہ معذور ہوگئے تھے، تحقیق و تنقید کا وہی معیار قائم رکھنا جوان کا طغرائے امتیاز ہے، ایک کارنامہ سے کم نہیں۔

یہ کتاب اس لحاظ سے مختلف ہے کہ اس جملہ تحریریں مولانا کے اپنے قلم سے نہیں ہیں۔بلکہ مولانا نے "ادارہ تدبر قرآن وحدیث" کے رفقاء کے سامنے گاہے گاہے کچھ لکچرز دیئے تھے۔ جس میں فلسفہ کے بعض اہم مسائل پر قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں بحث کی گئی تھی۔ ادارہ کے رفقاء جناب خالد مسعود اور محبوب سبحانی صاحب نے ان لکچرز کو تقریر کے قالب سے تحریر کے قالب میں ڈھالا۔

یہ کتاب ۲۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں فلسفہ کے چھ اہم مسائل پر مغربی حکماء کے آرا کا محاکمہ کرنے کے بعد ان کے بارے میں حکمت قرآنی کو واضح کیا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مسلم فلاسفہ میں امام ابن تیمیہ اور امام غزالی سے علامہ اقبال تک نے فلسفہ کے بعض مسائل پر قرآن مجید کی روشنی میں کام کیا ہے۔ لیکن ان میں سے بعض حضرات صرف متکلمین تھے۔ جنہوں نے عقائد کے دفاع اور حقائق کے بطلان کا کامیاب رد پیش کیا اور بعض نے یونان کی منطق کا وہ طلسم توڑا جسے ارسطو جیسے حکیم نے قائم کرر کھا تھا۔ لیکن ان کے یہاں جامع قرآنی حکمت اپنے پورے استدلال کے ساتھ سامنے نہیں آتی۔ پیش نظر کتاب کے حوالہ سے مولانا فلسفی نظر آتے ہیں نہ منطقی، نہ وہ متکلم ہونے کے دعویدار ہیں نہ تصوف کے حامی مگر وہ ان سب سے جدا، ان تمام موضوعات کے ایسے قاری اور ناقد ہیں، جنہیں اس موضوع کی ہر ایک کمزوری اور خام کاری کا پورا پورا ادراک حاصل ہے۔ وہ اس قرآنی شعور سے بھی بہرہ ور ہیں جس کے باعث ان کے پاس حکمت نورانی کا ایک ایسا آئینہ موجود ہے جس میں قدیم و

جدید فلسفہ کے تمام تصورات کی کم مائیگی کا عکس صاف نظر آتا ہے۔

اس تالیف میں جو مضامین زیر بحث آئے ہیں وہ فلسفہ کے اہم ترین موضوعات ہیں یعنی (۱) خدا کی ذات و صفات (۲) کائنات میں انسان کا مقام (۳) خیر و شر (۴) جبر و اختیار (۵) آخرت اور جزاو سزا (۶) نظام نبوت۔

ان موضوعات کے بارے میں قدیم و جدید فلسفیوں کی آراء بے کم و کاست ایک خاص زمانی ترتیب سے پیش کر کے، ہر موضوع کی ارتقائی اور ارتقاعی صورت حال کو سامنے لایا گیا ہے۔ اس سے ایک طرف یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ وہ اہم مسائل ہیں جن پر گذشتہ چار ہزار سال کے دوران دنیا کے بہترین دماغوں نے تجزیہ و تحلیل کے عمل سے کچھ نتائج فکر ترتیب دیئے تو دوسری طرف یہ خیال ابھرتا ہے کہ ان عبقری صفت فلسفیوں نے بھی محض عقل و حواس پر انحصار کر کے اور وحی کے سر چشمۂ حجیت سے محروم ہو کر کہاں کہاں ٹھوکریں کھائی ہیں۔ اس صورتحال میں مولانا کا انتقادی اسلوب اپنے حریفان علمی کے مقابل اپنی پوری عالمانہ شان اور علم و حکمت کے قرآنی اسلحہ سے لیس ہو کر تجزیہ و تحلیل کو عمل میں لاتا اور ان کے تمام مزعومات اور دعاوی کا کھوکھلا پن واضح کر دیتا ہے۔

یہ کتاب ایک انتہائی علمی اور حساس موضوع پر ایک عالمانہ اور تنقیدی کاوش ہے۔ جس سے بیک وقت فلسفہ اور علوم اسلامیہ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات نہ صرف استفادہ کر سکتے ہیں۔ بلکہ ان کو قرآن کی ابدی تعلیمات کے حوالہ سے فکر کی ایک نئی جولانگاہ ملے گی۔ فلسفہ ہر عہد میں اسلامی نقطۂ نظر سے تجدید کا محتاج رہا ہے۔ یہ تالیف اپنے عہد کی اس ضرورت کو بڑی حد تک پوری کرتی ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ (۴)

۴۔ **حقیقت شرک و توحید** : یہ کتاب کلمہ طیبہ لا الہ اللہ محمد رسول اللہ کی تشریح ہے اور دو الگ الگ رسالوں پر مشتمل ہے۔ ایک میں شرک سے بحث کی گئی ہے دوسرے میں توحید سے۔ پہلے یہ دونوں رسالے علیحدہ علیحدہ شائع ہوتے تھے بعد

میں دونوں کی یکجا کر دیا گیا۔

حقیقت شرک میں مولانا نے یہ بتایا ہے کہ شرک سے بیزاری کے باوجود، مسلمانوں کے یہاں شرک ہر جگہ گھسا ہوا ہے۔ اور ان کو اس کا ادراک بھی نہیں ہے۔ اس کے بعد شرک کے مختلف اقسام بیان کئے ہیں۔ مشرکین عرب کے شرک کی تفصیل کی ہے۔ اہل کتاب اور منافقین کے شرک کی نوعیت واضح کی ہے۔ اس کے بعد موجودہ دور کے شرک کا جائزہ لیتے ہوئے مشرق بعید کے مختلف مذاہب، ہندوستانی مذاہب، یورپ کی عیسائیت اور روس کی اشتراکیت کا بھی شرک کے تعلق سے تجزیہ کیا ہے۔ ان سب کے بعد بڑی باریک بینی کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ مسلم معاشرہ میں شرک کن کن گوشوں اور پہلوؤں سے سرایت کر چکا ہے اور کتنی شدت اختیار کر چکا ہے۔ پھر اس کے علاج اور اس سے نجات پانے کی تدابیر بھی بتائی ہیں۔ اس کے بعد بعض اشکال مثلا کیا شرک تقاضائے فطرت ہے؟ کا جواب دیا ہے اور آخر میں شرک کے اصل اسباب و محرکات بیان کئے ہیں۔

دوسرے حصہ یعنی "حقیقت توحید" میں توحید کے دلائل خالص قرآن کی روشنی میں پیش کئے ہیں اور آفاق وانفس کی شہادتوں، ان کی نیرنگیوں، کائنات کی تدبیر و نظام کے مختلف پہلوؤں پر بڑی عالمانہ و فاضلانہ گفتگو کر کے توحید کی صداقت و حقیقت اور اس کی اصل و اساس بیان کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ اعتراض بالکل غلط ہے کہ قرآن کا استدلال محض الزامی اور خطیبانہ نوعیت کا ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس کے عام استدلال کی بنیاد فطرت، مظاہر فطرت اور کائنات کی آیات پر ہے۔ اسی طرح اس کے حقیقی اثرات اور دین میں اس کی اہمیت کو بہت موثر انداز میں اجاگر کیا گیا ہے۔

مولانا چاہتے تھے کہ قرآنی علم کلام کا پورا سلسلہ مرتب کر دیں۔ یعنی شرک و توحید کی طرح رسالت اور معاد کے متعلق سوالات کے جواب اور ان کا صحیح اسلامی تصور، قرآن حکیم کے فطری اور عقلی دلائل کی روشنی میں بیان کر دیں۔ تاکہ قرآن کی عقلیت بھی آشکارا ہو جائے اور عصر جدید نے نئی نسل کے ذہنوں میں جو زہر پھیلا

رکھے ہیں ان کا تریاق بھی فراہم ہو جائے۔ مگر تفسیر ”تدبر قرآن“ کی تالیف میں مشغول ہو جانے کے سبب اس سلسلہ کی پیش نظر کتابیں یعنی ”حقیقت رسالت“ اور ”حقیقت معاد“ مرتب کرنے کا موقع نہ پا سکے۔

۵۔ دعوت دین اور اس کا طریقۂ کار : یہ کتاب ڈھائی سو صفحات پر محیط ہے اور مولانا کے روایتی انداز بحث و تحقیق اور ذوق کوہ کنی کا شاہکار ہے۔ کتاب کی اہمیت اور قدر و قیمت کا اندازہ اس کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے۔ یہاں صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ اس کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ اس موضوع پر تاریخ امت میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے۔ دعوت و تبلیغ اس امت کا مشن ہے، اس لئے ضروری تھا کہ اس راہ کے نقوش اور اس کے نشیب و فراز اچھی طرح واضح کئے جاتے تاکہ یہ فریضہ با حسن وجوہ انجام پا سکے۔ لیکن ہمارے ناقص علم و مطالعہ کی حد تک اردو فارسی اور عربی کسی زبان میں، پوری تاریخ میں ایسی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ معلوم ہوتا ہے یہ سعادت مولانا کے لئے اٹھا رکھی گئی تھی۔ مولانا اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں :

”اس کتاب میں میں نے انبیاء علیہم السلام کا طریقہ تبلیغ تفصیل کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اس زمانہ میں جس طرح دین کا مفہوم لوگوں کے ذہن میں ادھورا اور ناقص ہے، اسی طرح دین کی تبلیغ کا مفہوم بھی بہت ہی محدود اور غلط ہے۔ میں نے اس کتاب میں دین کو بحیثیت ایک نظام زندگی (جیسا کہ وہ فی الواقع ہے) سامنے رکھا ہے۔ اس حیثیت سے اس جدو جہد کے تمام تقاضوں اور اس کے تمام مراحل کی تفصیل کی ہے، جو اس نظام کو برپا کرنے کے لئے اختیار کرنی پڑتی ہے۔ میں نے اس کتاب کے ہر باب کی بنیاد قرآن مجید کے محکم دلائل پر رکھی ہے۔ پھر جہاں ضرورت محسوس کی ہے، صحیح احادیث سے اس کی وضاحت کی ہے۔ مجھے امید ہے جو لوگ اس کتاب کو غور سے پڑھیں گے وہ اس کو فہم قرآن میں بھی معاون

پائیں گے۔"(۵)

۶۔ تزکیۂ نفس 'دو جلدیں': اس کتاب میں تزکیہ نفس کے اصول و مبادی کی وضاحت کی گئی ہے جو کتاب و سنت میں بیان ہوئے ہیں۔ تزکیہ نفس کے متعلق جو تصور حضرات صوفیہ کے واسطہ سے رائج ہوا ہے اور جس سے عام طور پر لوگ واقف ہیں، وہ انفرادی زندگی میں اپنی ذات کی اصلاح کا تصور ہے۔ مولانا نے اس ناقص تصور اصلاح پر نقد کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ تزکیہ نفس کا یہ تصور ہمیں قرآن ہی سے ملتا ہے اور نہ رسول اللہ ﷺ اور نہ آپ کے اصحاب کی زندگی ہی اس پر شاہد ہے۔ کتاب و سنت سے جو چیز ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ تزکیہ نفس کوئی انفرادی اصلاح کا کام نہیں ہے بلکہ اس میں انسان کی اجتماعی ذمہ داریوں کا تصور بھی شامل ہے۔ تصوف کے تصور تزکیہ نفس کے مطابق اگر ایک شخص دنیا کے جھمیلوں میں نہیں پڑتا، لوگوں سے الگ تھلگ رہ کر اللہ اللہ کرتا اور بظاہر پاکیزہ زندگی گذارتا ہے تو اسے بہت بڑا عارف باللہ سمجھا جاتا ہے۔ مولانا نے قرآن وسنت کی روشنی میں تزکیہ نفس کا جو تصور پیش کیا ہے، اس کے مطابق سب سے بڑا عارف وہ شخص ہے جو دنیا کے جھمیلوں میں پڑ کر اپنی انفرادی زندگی اور اجتماعی ذمہ داریوں کو اس طرح ادا کرے جس طرح ادا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور جس کا کامل نمونہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں ہمیں نظر آتا ہے۔

تزکیہ علم و عمل اور عبادات پہلی جلد کا موضوع ہے اور تزکیۂ تعلقات و معاملات کے مباحث دوسری جلد کے موضوع ہیں۔ پہلی جلد تین سو صفحات سے زائد اور دوسری جلد سوا دو سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

۷۔ مبادی تدبر حدیث : قرآن مجید پر غور و فکر کے لئے مولانا نے جس طرح الگ راہ نکالی ہے۔ اسی طرح فہم حدیث کے متعلق بھی ان کا طریقہ مروجہ طریقہ سے الگ ہے۔ ان کے یہاں بنائے اعتماد کتاب کا نام یا مجرد اس کی سند نہیں ہے بلکہ روایت کے الفاظ موقع و محل، سیاق و سباق، نظائر و شواہد اور کتاب اللہ سے

موافقت اور عدم موافقت کے جملہ پہلوؤں سے وہ حدیث پر تدبر کرنے کے قائل ہیں۔ اسی طرح احادیث پر قرآن کی بالادستی بہر صورت برقرار رکھتے ہوئے، احادیث کو قرآن کے تابع رکھنا ان کے نزدیک، تدبر حدیث کا سب سے اہم اصول ہے۔ چنانچہ انھوں نے اس کتاب میں فہم حدیث کے بنیادی اصولوں کی وضاحت کرتے ہوئے، تدبر حدیث کے رائج تصورات کے کمزور پہلوؤں اور ان کے نقائص کی بھی نشاندہی کی ہے اور ان کا مثبت اور قابل عمل حل پیش کیا ہے۔ مولانا نے کسی حدیث کی صحت و سقم کا فیصلہ کرنے کے جو اصول وضع کئے ہیں وہ نہایت فطری اور معقول ہیں اور ائمہ حدیث کی مستند کتابوں سے ہی ماخوذ و مستنبط ہیں۔ اس لئے کسی صاحب علم و تحقیق کے لئے انکار کی گنجائش مشکل ہے۔ البتہ وہ لوگ جو صرف اپنے فقہی مسلک و مذہب کے تناظر میں حدیثیں پڑھنے اور پڑھانے کے قائل ہیں وہ ان باتوں سے ممکن ہے متوحش ہوں۔ لیکن کسی روایت کو حتمی طور پر قول رسول قرار دینا اور احادیث کو دین کے ماخذ کی حیثیت سے پیش کرنا اور بر تنا بڑا نازک اور ذمہ داری کا کام ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ جو اصول بھی وضع کئے جائے وہ ہر طرح کے تحفظات اور علمی و مسلکی انتساب سے بے نیاز ہو کر نہایت بے لاگ اور معروضی انداز میں وضع کیے جائیں۔ مولانا اسی احساس کے تحت یہ کوشش کی ہے کہ تحقیق حدیث کا ایک ایسا معقول منہاج متعین ہو جائے جسے کوئی صاحب انصاف غلط اور صحیح کو کسوٹی تسلیم کرنے سے انکار نہ کر سکے۔

۸۔ اسلامی قانون کی تدوین : یہ کتاب مولانا کے ان خطبات کا مجموعہ ہے جو انھوں نے پاکستان کی بعض یونیورسٹیوں اور کالجوں میں دیئے تھے۔ ان خطبات میں مولانا نے ان امور و مسائل سے بحث کی ہے جو اسلامی قانون کی تدوین کے ضمن میں زیر بحث آسکتے ہیں اور ان اعتراضات و شبہات کے ازالہ کی کوشش کی ہے جو بعض اسلام بیزار عناصر کی جانب سے وقتاً فوقتاً پیش کئے جاتے رہے ہیں۔ اس میں کل چھ مقالات ہیں اور ایک مرکزی موضوع کے مختلف پہلوؤں سے بحث کرتے ہیں ان کو جب جمع

کر دیا گیا تو ایک کتاب کے مستقل مباحث کی شکل اختیار کر گئے۔ وہ مضامین یہ ہیں :

۱۔ انسانی قانون اور اسلامی قانون میں فرق

۲۔ اسلامی قانون میں حرکت وارتقاء

۳۔ اسلامی قانون کے مآخذ

۴۔ اجتہاد

۵۔ اسلامی قانون کی تدوین

۶۔ عہد حاضر میں اجتہاد کی اہمیت

اسلامی قانون کے عموماً چار مآخذ تسلیم کیے جاتے ہیں۔ کتاب، سنت، اجماع اور قیاس۔ مولانا علماء سلف کی اس تعبیر کو غلط نہیں سمجھتے، مگر ان کے خیال میں اس تعبیر کے اندر بعض خلا ہیں جن کے سبب موجودہ زمانہ کے ذہنوں کو اصل حقیقت کے سمجھنے میں الجھنیں پیش آتی ہیں۔ مولانا نے تعبیر کے اس خلا کو بھی اجاگر کیا ہے۔

مولانا کا خیال ہے کہ علمائے اصول نے "اجتہاد" ہی کو قیاس اور اجماع کے دو لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔ اس لئے کہ حدیث معاذؓ میں تیسرے ماخذ کے طور پر اس کا ذکر ہے۔ مولانا کہتے ہیں کہ عرف اور مصلحت کو بھی اسلامی قانون کے ماخذ کے طور پر علماء نے تسلیم کیا ہے لیکن اسلامی قانون کے اصل ماخذوں کے ساتھ ان کا ذکر نہ آنے سے، اسلامی قانون کے ماخذوں کا پورا تصور ذہن میں نہیں آتا۔ مولانا کے نزدیک علماء سلف کی تعبیر اگرچہ حکمت سے خالی نہیں ہے لیکن بات کو موجودہ زمانہ کے ذہن سے قریب تر لانے کے لئے یوں کہنا زیادہ صحیح ہے کہ اسلامی قانون کے ماخذ پانچ ہیں (۱) کتاب (۲) سنت (۳) اجتہاد (۴) عرف (۵) مصلحت۔

مولانا نے ان پانچوں ماخذوں پر بہت عمدہ گفتگو کی ہے۔ خاص طور سے سنت پر ان کی بحث اگر منکرین سنت کے لئے دندان شکن جواب ہے تو دوسری جانب خود مولانا کو منکرین سنت کی صف میں کھڑا کرنے والوں کے بے بنیاد الزامات کی بھرپور تردید بھی۔

اسلامی قانون کی تدوین کی سابقہ کوششوں کا جائزہ اور ان کی ناکامی کے اسباب کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی تدوین جدید کے چند اصول مولانا نے بتائے ہیں جو اس طرح ہیں :

۱۔ اہل سنت والجماعت کے تمام ائمہ مجتہدین کے فتووں کو مشترکہ اسلامی میراث قرار دے کر بلا تعصب سب سے یکساں فائدہ اٹھایا جائے۔

۲۔ کتاب و سنت کی تعبیر میں سلف صالحین کی تعبیرات اور اصطلاحات کی پیروی کی جائے۔

۳۔ جن معاملات میں ائمہ مجتہدین کے اجتہادات موجود نہیں ہیں ان میں مختلف ممالک کے علماء اور فقہاء کے فتوے جمع کر کے دلائل کی روشنی میں ان فتووں کو اختیار کیا جائے جو قرآن و سنت سے قریب تر ہوں۔

۴۔ عرف اور مصلحت پر مبنی احکام میں حالات و مصالح کے تغیر کے لحاظ سے تبدیلیاں کی جائیں۔

آخر میں یہ بتایا ہے کہ اسلامی قانون کے نفاذ کے لئے کس قسم کی تیاری ضروری ہے۔ آخری مقالہ ''عصر حاضر میں اجتہاد کی اہمیت'' بغیر سابقہ تسلسل کے بہت زیادہ مربوط نہیں ہے مگر ہے اس سلسلہ کی کڑی۔ سائنسی ایجادات اور ترقیوں کے پیدا کردہ مسائل کو حل کرنے کے لئے جس صلاحیت اور بصیرت کی ضرورت ہے اس کو بڑے موثر انداز میں واضح کیا ہے۔ یہ کتاب تقریباً سوا سو صفحات پر محیط ہے۔

۹۔ اسلامی ریاست میں فقہی اختلاف کا حل : جن ملکوں میں نفاذ شریعت کی کوششیں ہو رہی ہیں، وہاں دوسرے موانع و مشکلات کے علاوہ اس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ فقہی اختلافات ہیں۔ جو علماء اور قانون سازوں کو بیشتر مسائل میں کوئی متفقہ لائحہ عمل اختیار نہیں کرنے دیتے۔ یہ اختلافات اگرچہ سرسری اور سطحی ہیں لیکن امتداد زمانہ کے سبب ان کی جڑیں اتنی گہری اتر چکی ہیں کہ انہیں اب اکھاڑ پھینکنا ممکن نہیں رہا۔ یہ صورتحال اس بات کی متقاضی ہے کہ اہل علم فقہی

اختلافات کے پیچیدہ مسائل پر غور کریں اور ایسا طریقہ کار وضع کریں جو نفاذ شریعت کے مقصد کے حصول کو یقینی بنائے۔ مولانا امین احسن اصلاحی کی زیر نظر کتاب اس موضوع پر ایک۔ جامع تصنیف ہے۔ اس م یں مسئلہ کے تمام ضروری پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

یہ کتاب ۱۲۰ صفحات پھیلے ہوئے آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ جن میں صدر اول کے مسلمانوں کے طرز عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے، امت کے طرز عمل میں اس تبدیلی کی نشاندہی کی گئی ہے جو فقہ و حدیث کے مرتب ہونے کے بعد پیدا ہوئی۔ اختلافات کے اسباب متعین کئے گئے اور وہ حل تجویز کیا گیا ہے جس سے امت کو پھر صدر اول کے مسلمانوں کے طرز عمل پر لایا جا سکتا ہے۔ آخری دو ابواب میں اسلامی ریاست میں فرقوں کی حیثیت اور اسلامی قانون کی تدوین کی سابقہ کوششوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

مولانا نے فقہی معاملات سے متعلق ایک صحیح اسلامی حکومت کے طرز عمل کو بھی واضح کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ حکومت کسی متعین امام کی تقلید کے اصول پر قائم نہیں ہوتی بلکہ اسکی اساس براہ راست کتاب و سنت اور اجتہاد و شوریٰ پر ہوتی ہے۔ اسلامی حکومت اپنے شہریوں کے ان جزوی امور سے کوئی تعرض نہیں کرتی جن کا تعلق آدمی کی انفرادی زندگی سے ہوتا ہے۔ اس کا تعلق صرف ان ظاہری اعمال و عقائد تک محدود ہوتا ہے جو اجتماعی و معاشرتی اور سیاسی زندگی سے لگاؤ رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہر شہری اس بات میں بالکل آزاد ہوتا ہے کہ وہ اپنی انفرادی زندگی کے دائرہ میں جس فقہی وکلامی مسلک کو ترجیح دیتا ہو اس کو اختیار کرے۔ لیکن اجتماعی مسائل میں اسے حکومت کے قانون اور فیصلے کا پابند ہونا پڑے گا۔ وہ اپنے فقہی مسلک کی بنا پر ان سے آزاد نہیں ہو سکتا۔

۱۰۔ اسلامی ریاست : جب دوسری جنگ عظیم کے بعد استعماری طاقتیں زوال پذیر ہوئیں اور بہت سی مسلم ریاستیں وجود میں آئیں تو حالات بہت کچھ بدل چکے

تھے اور نت نئے مسائل اور پیچیدگیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ ان حالات میں نئے سرے سے صحیح اسلامی ریاست کا خاکہ مرتب کرنے کی ضرورت تھی جس میں تمام نئے امور و مسائل کا قابل عمل حل تجویز کیا گیا ہو۔ پاکستان جو ایک نو مولود مسلم ریاست کے طور پر دنیا کے نقشہ میں ظاہر ہوا اور وہاں اسلامی نظام کے نفاذ کی پر زور وکالت کی گئی مگر کسی کے سامنے صحیح اسلامی ریاست کا تصور نہیں تھا اسلئے اس کی راہ میں دن بدن پیچیدگیاں پیدا ہوتی رہیں۔ چنانچہ اس مشکل کے حل کے لئے مسلم مفکرین نے اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کیں اور اس موضوع پر متعدد قیمتی کتابیں منظر عام پر آئیں۔ جس میں مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کی کتاب "اسلامی ریاست" بطور خاص قابل ذکر ہے۔ مگر اس نئے دور کے مسائل کو جو حل، خاص طور سے مسلم ریاست میں غیر مسلمین کے حقوق کا جو چارٹ ان کتابوں میں پیش کیا گیا تھا، دانشور طبقہ اس سے مطمئن نہیں ہوا اور اسی آڑ میں وہ اسلامی نظام پر ہی معترض ہونے لگا۔ اس صورتحال نے مجبور کیا کہ مولانا قلم اٹھائیں اور اسلامی ریاست کا صحیح تصور اور اس میں غیر مسلمین کے واجبی حقوق سے حکمراں طبقہ اور دانشوران قوم کو آگاہ کریں۔ اس کتاب میں حسب ذیل مباحث ہیں :

۱۔ اسلام اور اسلامی معاشرہ
۲۔ اسلامی ریاست اور اس کے بنیادی اصول
۳۔ اسلامی ریاست کیا نہیں ہے ؟
۴۔ شہریت کے حقوق و فرائض
۵۔ عورتوں کے اجتماعی حقوق و فرائض
۶۔ غیر مسلموں کے حقوق
۷۔ قانون سازی اور تنفیذ
۸۔ قضاء
۹۔ کارکنوں کی ذمہ داریاں اور ان کے اوصاف

۱۰۔ اطاعت کے شرائط و حدود

۱۱۔ حق رائے دہی، طریق انتخاب، استصواب وغیرہ

۱۲۔ تعلقات خارجہ کے اصول

مذکورہ مباحث دراصل پیش نظر کتاب کا خاکہ ہے مگر تصنیف کے وقت مولانا نے اس ترتیب کو ملحوظ نہ رکھتے ہوئے مبحث ۴، ۶، ۹ اور ۱۰ پر قلم اٹھایا۔ اس سے پہلے کہ مولانا کسی اور مبحث پر قلم اٹھاتے، قادیانی فتنہ کے سبب نظر بند کر دیئے گئے۔ اور یہ سلسلہ رک گیا۔ نظر بندی کے دوران مذکورہ چاروں مباحث الگ الگ اجزاء میں چھپ گئے۔ راقم کے پیش نظر انہی اجزاء میں سے ۴، ۹ اور ۱۰ نمبر کے اجزاء ہیں۔

مبحث چار میں اسلامی ریاست کی شہریت کے شرائط اور شہریوں کے حقوق و فرائض سے بحث کی گئی ہے۔ مبحث ۹ میں اسلامی ریاست کے امراء و حکام کی ذمہ داریوں ار ان کے اخلاق و اوصاف کی تفصیل کی گئی ہے۔ مبحث دس میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اسلامی ریاست کو اطاعت و وفاداری کے لحاظ سے ایسے امتیازات حاصل ہوتے ہیں جن سے دوسری حکومتیں محروم ہوتی ہیں۔ لیکن یہ اطاعت وفاداری غیر مشروط نہیں بلکہ نہایت کڑی شرطوں کے ساتھ مشروط ہے۔ ان شرائط کو پورا کرنے کی صورت میں حکومت کی نوعیت و حالت کے لحاظ سے اطاعت کی نوعیت میں اہم تبدیلیاں ہو جائیں گی۔ چنانچہ مولانا نے اطاعت کے شرائط و حدود کی تفصیل بیان کرنے کے بعد یہ دکھایا ہے کہ طریق نبوی سے انحراف کی کتنی شکلیں ہو سکتی ہیں اور یہ کہ ان شکلوں میں انحراف کی نوعیت اور درجہ کے لحاظ سے اطاعت کے احکام میں کیا تبدیلیاں واقع ہو سکتی ہیں؟

اس کتاب کی ایک اہم بحث "غیر مسلموں کے حقوق" کی ہے۔ مگر تلاش بسیار کے باوجود کہیں اس کا سراغ نہ لگ سکا۔ بدلے ہوئے نئے عالمی تناظر میں یہ مسئلہ اس لئے ابھر کر سامنے آیا کہ نو آزاد مسلم ریاستوں میں آباد غیر مسلمین کی حیثیت ان ذمیوں سے ذرا مختلف ہے جو عہد رسالت اور بعد کے ادوار میں مسلم ریاستوں میں آباد

تھے۔ اس زمانہ میں یہ غیر مسلمین دو ہی طرح اسلامی حکومت کے زیر نگیں ہوتے تھے۔ یا تو اسلامی حکومت سے شکست کھا کر اطاعت قبول کر لیتے تھے یا اسلامی حکومت سے مرعوب ہو کر جنگ سے پہلے یا دوران جنگ مگر شکست سے قبل، اسلامی حکومت سے باقاعدہ معاہدۂ صلح کر کے اطاعت قبول کر لیتے تھے۔ پہلی صورت میں مفتوح اہل ذمہ اور دوسری صورت میں معاہد اہل ذمہ کہلاتے تھے۔ ان دونوں صورتوں کے علاوہ کوئی تیسری صورت ماضی میں نہیں ملتی۔ ان دونوں کے الگ الگ احکام ہیں۔ لیکن نئے دور میں نوآزاد مسلم ریاستوں کے غیر مسلمین پر، ان دونوں صورتوں میں سے کسی ایک کا بھی اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خاص پاکستان کے پس منظر میں وہاں کے ان غیر مسلمین کی حیثیت کیا ہوگی۔ ان کے ساتھ کس طرح کا معاملہ کیا جائے۔ انہیں کیا حقوق و مراعات حاصل ہونگی اور انھیں کس حد تک حکومت میں شریک و سہیم بنایا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ نہ تو مفتوح ہیں اور نہ معاہد۔ یہ ایک ایسی نئی صورت ہے جس کی ماضی میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اس اعتبار سے یہ مسئلہ بالکل نیا ہے۔

اس مسئلہ کے حل کے لئے مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے ''ذمیوں کے حقوق'' نامی ایک کتاب لکھی مگر اس سے پاکستان کا دانشور طبقہ مطمئن ہونے کے بجائے مزید الجھنوں کا شکار ہو گیا۔ مولانا اصلاحیؒ نے اصلاً اسی الجھن کو صاف کرنے کے لئے اس کتاب کی تصنیف کا بیڑا اٹھایا۔ چنانچہ اپنے ایک شاگرد، محمود احمد لودھی کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :

''اس سوال پر لکھنے کی ضرورت پیش آئی ہی اس وجہ سے کہ اس مسئلہ پر جماعت کے لٹریچر میں مودودی صاحبؒ کی کتاب 'ذمیوں کے حقوق' کے نام سے موجود تھی۔ اس پر ملک کے ذہین طبقہ کو اعتراض تھا کہ اس زمانہ میں غیر مسلموں کے حقوق کا یہ حل ناقابل قبول ہے اور ملک کے اہل سیاست اس اعتراض کو نظام اسلامی کے خلاف ایک اعتراض کے طور پر پیش کرتے تھے۔ اس ضرورت کو سامنے رکھ کر میں نے اپنا رسالہ لکھا اور اس نے

اعتراض کرنے والوں کو کا منھ بند کر دیا۔"(۶)

اس کتاب پر بعض تبصروں س اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا نے بعد میں اس کتاب کی تکمیل فرمائی اور وہ مکمل کتابی شکل میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کے مباحث مولانا کی وسعت علم اور سیاسی بصیرت کا پتہ دیتے ہیں۔ یہ کتاب اب دستیاب نہیں ہے۔ بہت دنوں سے اس کا ایڈیشن منظر عام پر نہیں آیا۔ جبکہ سیاسیات کے اساتذہ و طلبہ اس کے بڑے مشتاق نظر آتے ہیں۔

۱۱۔ قرآن میں پردے کے احکام : قیام پاکستان کے بعد نفاذ اسلام کا جب مرحلہ آیا تو وہاں کے مغرب زدہ لیڈروں نے اس سے دامن چھڑانے کے لئے طرح طرح کی بحثیں چھیڑیں۔ اس ضمن میں ایک بحث یہ اٹھائی گئی کہ عورتوں کے پردے کا حکم قرآن مجید میں کہیں نہیں آیا ہے۔ اسی پروپیگنڈہ کی تردید میں مولانا نے زیر نظر کتاب تصنیف کی ہے۔

مولانا نے سورہ احزاب اور سورہ نور کی بعض آیات، جن میں پردہ کا حکم ہے، کی روشنی میں یہ بتایا ہے کہ قرآن میں دو طرح کا پردہ مذکور ہے۔ سورہ احزاب میں اس پردہ کا حکم اور نوعیت بیان ہوئی ہے جب عورت کو گھر سے باہر نکلنا پڑے اور غیر مردوں سے سابقہ ہو۔ جبکہ سورہ نور میں گھر کے اندر کے پردہ کا ذکر ہے۔ جب شوہر کے خاندان اور رشتہ کے لوگوں سے سابقہ پڑے اور اس کے متعلقین و ملازمین سے معاملہ پیش آئے۔

پردہ کی ان دونوں صورتوں کی تفصیل کے بعد، پردہ کی بعض استثنائی صورتیں بھی پیش کی ہیں۔ مثلاً شادی کے لئے ایک نظر دیکھنا۔ جج اور پولیس کا بعض ناگزیر حالت میں دیکھنا۔ ڈاکٹر کا علاج معالجہ کی غرض سے دیکھنا۔ ناگہانی حالات و مصائب میں عورت کو بچانے یا اس کی مدد کے لئے پردہ کی رعایت نہ کرنا وغیرہ۔

زیر نظر کتاب چالیس صفحات پر مشتمل ہے اور دارالاشاعۃ الاسلامیہ لاہور کی چھپی ہوئی ہے۔ اس کا عربی ترجمہ بھی چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔

۱۲۔ حقیقت تقویٰ: اس دور میں جن چیزوں کو تقوی کے متعلقات و لوازم سمجھ لیا گیا ہے ان کی تفصیل کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ نہ یہ کل کے کل غلط ہیں اور نہ ان سب کو درست ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد کتاب اللہ کی روشنی پھر سنت رسولؐ کے آئینہ میں تقویٰ کا اصل اور حقیقی مفہوم، اس کے متعلقات ولوازمات، اس کے مظاہر اور متقین کی صفات وغیرہ بیان کی گئی ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ تقویٰ دراصل حدود الٰہی کی نگرانی و حفاظت کا نام ہے۔ جو شخص زندگی کے سفر میں، ہر مرحلہ اور ہر موڑ پر یہ جاننے کی کوشش کرے کہ خدا نے اس کے بڑھنے اور رکنے کے کیا حدود قائم کئے ہیں پھر خدا اور روز آخرت کے ڈر سے، خلوت و جلوت میں ان حدود کی نگرانی کرے اور دیدہ ودانستہ کسی حد کو توڑنے کی جرائت نہ کرے وہ متقی ہے۔

اس کے بعد حصول تقویٰ کا صحیح طریقہ جو کتاب اللہ و سنت انبیاء سے ثابت ہوتا ہے واضح کرنے کی کوشش کی ہے، جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خانقاہیں جو تقوی پیدا کرنے کا واحد ذریعہ خیال کی جاتی ہیں وہ اس مقصد کے لئے کس حد تک مفید ہو سکتی ہیں۔ راقم کے پیش نظر مکتبہ جماعت اسلامی ہند رامپور کا طبع کردہ قدیم نسخہ ہے۔ جو باریک خط اور متوسط تختی میں اسّی صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۲۔ حقیقت نماز: یہ باسٹھ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ ہے جس میں مولانا نے قرآن کی روشنی میں اس حقیقت کو اجاگر کیا ہے جس کی بنا پر نماز کو دین میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ روایتی انداز میں وعظ و نصیحت کی کتابوں کی طرح نماز سے متعلق کچھ آیات اور احادیث وآثار لے کر ان کی تشریح و توضیح نہیں کی گئی بلکہ اس میں بلند علمی مذاق کا مظاہرہ کیا گیا ہے جس کی سطر سطر سے علم و حکمت کے موتی بکھر رہے ہیں۔ اس میں حسب ذیل عناوین پر بحث کی گئی ہے:

۱۔ ایک اصولی حقیقت

۲۔ نماز دین کا ستون

۳۔ دین کا نقطہ آغاز اور نماز

۴۔ نماز تمام شریعت کا مصدر ہے

۵۔ شریعت کا بقا نماز پر منحصر ہے

۶۔ نماز حقیقی زندگی ہے

۷۔ نماز مشکل کشا ہے

۸۔ نماز فطرت کائنات ہے

۹۔ نماز قوموں کی عدالت ہے

اور آخر میں اس شبہ کا جواب دیا گیا ہے کہ جب سیاست و حکومت کا حصول نماز کے قیام پر منحصر ہے تو ہونا تو یہ چاہئے کہ وہ قومیں اس نعمت سے محروم رہیں جن کے اندر نماز مفقود ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

۱۳۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام : عورت کے حقوق، اس کی ترقی و آزادی اور مساوات مرد و زن کی جو تحریک مغرب سے اٹھی ہے اور اس سلسلہ میں جو روش اختیار کی گئی ہے، اس کے پیچھے کیا عزائم کار فرما ہیں، حالات پر نگاہ رکھنے والے اصحاب بصیرت سے مخفی نہیں۔

زیر نظر کتاب میں خاص عورت کی حیثیت کے بارے میں ان تمام دلائل پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے جو مغرب کے مفکرین نے پیش کئے ہیں اور جن کی بازگشت ہمارے مسلم ملکوں کے بعض نام نہاد قائدین اور مغرب زدہ دانشوروں کی تحریروں اور تقریروں میں سنائی دیتی ہے۔ مولانا نے محکم دلائل و شواہد سے ان کا باطل ہونا ثابت کیا ہے اور یہ دکھایا ہے کہ عورت کی آزادی کی جو رَو مغرب میں بہ رہی ہے اس کے کیا برے اثرات روس اور امریکہ کی معاشرت پر مرتب ہو رہے ہیں اور وہاں کے اہل بصیرت کے خیالات اس بارے میں کیا ہیں؟

اس معاشرتی مسئلہ پر تفصیلی بحث کرنے کے بعد مولانا نے بتایا ہے کہ عورتوں کے حقوق و فرائض کا جو نقشہ قرآن و سنت نے پیش کیا ہے، وہ کیا ہے، پردے کی حقیقت کیا ہے، اس کے حدود و قیود کیا ہیں، کیا یہ ملاؤں کی ایجاد ہے یا قرآن و سنت

سے ثابت ہے ؟اس کے علاوہ انھوں نے یہ بھی متعین کرنے کی کوشش کی ہے کہ ترقی کی دوڑ کے اس زمانہ میں عورت کن کاموں میں حصہ لے سکتی ہے اور کن میں نہیں لے سکتی۔ اس طرح یہ کتاب اس بحث میں نہایت وقیع اضافہ ہے جو آج عورت کی آزادی اور مساوات کے موضوع پر چل رہی ہے۔

۱۴۔ **تنقیدات :** یہ مولانا کے بعض تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے اور چار سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ مولانا کے اپنے الفاظ میں :

"ان مضامین میں، میں نے مختلف سیاسی، معاشرتی، تمدنی، اجتماعی، فقہی اور عقائدی مسائل و نظریات پر تفصیل کے ساتھ بحث کر کے ان کے غلط پہلوؤں کی تردید کی ہے اور میرے نزدیک ان کے جو صحیح پہلو ہو سکتے ہیں ان کو دلائل کے ساتھ واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس میں جو خیالات و نظریات زیر بحث آئے ہیں وہ عامیانہ اور سطحی نہیں ہیں، بلکہ وقت کے علمی اور مذہبی حلقوں میں ان کی بڑی اہمیت ہے۔ ان کے پیش کرنے والے بھی عام سطح کے لوگ نہیں ہیں بلکہ علمی و سیاسی حلقوں میں ان کو نہایت احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔" (مقدمہ کتاب)

یہ کتاب ذیل کے پانچ مضامین پر مشتمل ہے :

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نیشنلسٹ لیڈر تھے یا نبی ورسول ؟

۲۔ حاکمیت الٰہی یا حاکمیت جمہور ؟

۳۔ جماعت اسلامی پر الزامات اور ان کا جواب

۴۔ نئی فرد قرارداد جرم

۵۔ مسودہ قانون وضاحت قانون شریعت بابت ۱۹۵۴ء

پہلے مضمون میں مولانا نے اس نظریہ کی تردید کی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی بعثت قومی آزادی کے لئے ہوئی تھی اور یہ ثابت کیا ہے کہ انھوں نے نہ قومی آزادی کا نعرہ لگایا اور نہ نسلی و وطنی تحریک چلائی وہ صرف اللہ کے نبی اور رسول تھے۔

دوسرے مضمون میں ایک پاکستانی وزیر کا تعاقب کیا ہے جنھوں نے حاکمیت الٰہی کے بجائے حاکمیت جمہور کا نظریہ پیش کیا تھا اور اس کے حق میں اسلام کو استعمال کیا تھا۔

تیسرے اور چوتھے مضمون میں مولانا عبدالرشید محمود گنگوہیؒ اور مولانا منظور نعمانیؒ کی جانب سے جماعت اسلامی پر کئے گئے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ پانچویں مضمون میں پنجاب اسمبلی میں ایک خاتون ممبر کی جانب سے پیش کردہ مسودہ قانون پر تنقید کی گئی ہے۔ اس مسودہ میں شادی، فسخ نکاح، طلاق، مہر، تعدد ازدواج، حضانت اور نان و نفقہ کے متعلق اسلامی تعلیمات کے خلاف اصول پیش کئے گئے تھے۔

۱۵۔ توضیحات: یہ کتاب بھی مذکورہ کتاب کی طرح مولانا کے بعض بڑے گرانقدر مقالات و مضامین کا مجموعہ ہے۔ تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔ مولانا اس کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں:

"میں نے اس مجموعہ میں اپنے مضامین کا ایک منتخب حصہ جمع کر دیا ہے، جو میں نے وقتاً فوقتاً کسی سوال کے جواب یا کسی اعتراض کی تردید یا کسی الجھن کو صاف کرنے کے لئے لکھے ہیں۔ ان میں بعض مضامین قرآن مجید سے متعلق ہیں اور بعض حدیث و سنت سے متعلق ہیں اور بیشتر ایسے ہیں جن میں کسی فقہی و علمی یا معاشی و اجتماعی یا تمدنی و سیاسی مسئلہ سے بحث کی گئی ہے۔ یہ مسائل زیادہ تر ایسے ہیں جو نظام اسلامی کے قیام کے سلسلہ کی اس کشمکش سے تعلق رکھتے ہیں جس سے ہم سب کا نہایت گہرا ربط پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ اس وجہ سے توقع ہے کہ ان کا مطالعہ بہت سی الجھنیں دور کرنے میں مدد دے گا۔" (مقدمہ کتاب)

قرآن مجید سے متعلق سات مضامین ہیں (۱) اسمائے سور کی توجیہ (۲) سورہ نساء کی ایک آیت کی تاویل (۳) ہاروت و ماروت کے نزول کا مقصد (۴) واجعلنا للمتقین اماما کی صحیح تاویل (۵) بنی اسرائیل میں ملوک کی حیثیت (۶) سورہ ہود کی ایک آیت سے گمراہ فرقوں کا غلط استدلال اور اس کی صحیح تاویل (۷) ختم نبوت کا مفہوم۔

حدیث و سنت سے متعلق مضمون میں حدیث و سنت کا فرق اور سنت معلوم کرنے کے ذرائع بیان کئے گئے ہیں۔ اخبار آحاد کا مفہوم، ان کی ظنیت اور ان کا مقام و مرتبہ واضح کیا گیا ہے۔ اور احادیث سے استفادہ کا صحیح طریقہ بتایا گیا ہے۔ محدثین عظام کے عظیم الشان کارناموں کا اعتراف کرتے ہوئے اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ ان کی کاوش اور تحقیق کمزوریوں سے خالی نہیں ہے۔ اس لئے ان کا کام تنقید سے بالاتر نہیں ہو سکتا۔ اسی ضمن میں مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ کے حدیث سے متعلق بعض خیالات و نظریات کی توضیح کی گئی ہے۔ انبیاء سابقین، صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین پر تنقید کی حیثیت و نوعیت کو واضح کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ تنقید کا مطلب عیب چینی یا تنقیص نہیں ہے بلکہ یہ نام ہے جانچنے اور پرکھنے کا جس کی کسوٹی صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی اور قرآن کریم ہے۔

تیسری نوعیت کے مضامین میں زکوۃ، صالح جماعت میں فقہی اختلافات کے حدود، دعاو استغفار، خواب و کرامت اور عذر شرعی جیسے مسائل پر بحث کی گئی ہے اور اقامت دین کی جدوجہد کرنے والوں کے لئے اختلاف احوال کے سبب پیش آنے والے مسائل میں ان کی رہنمائی کی گئی ہے۔

۱۶۔ مقالات اصلاحی: یہ مولانا اصلاحی کے ان مضامین کا منتخب مجموعہ ہے جو جماعت اسلامی سے علیحدگی کے بعد مختلف موضوعات پر لکھے گئے اور ان کی ادارت میں نکلنے والے رسالہ ماہنامہ 'میثاق لاہور' میں شائع ہوئے ہیں۔ فاضل مرتب محترم جناب خالد مسعود صاحب نے نہایت مناسب ترتیب کے ساتھ انہیں چار حصوں میں منقسم کیا ہے۔ پہلے حصے کا عنوان ہے "اسوہ حسنہ"۔ اس میں دو مقالات ہیں۔ (۱) نبی ﷺ بحیثیت ایک مدبر اور ماہر سیاست، (۲) عہد صحابہ کے سب سے کمسن مفسر قرآن۔

دوسرا حصہ ہے "جماعت اسلامی سے علیحدگی کی بنیادیں" یہ ایک مکتوب اور سات مضامین پر مشتمل ہے۔ مکتوب جماعت اسلامی پاکستان کے امیر مولانا سید ابوالاعلی

مودودیؒ کے نام ہے۔ اس میں انتخابی سیاست میں جماعت اسلامی کی شمولیت پھر ناکامی اور اس کے بعد اٹھنے والے طوفان کے اسباب و عوامل کا جائزہ لینے والی کمیٹی کی رپورٹ کے رد عمل میں امیر جماعت اسلامی کی طرف سے ارکان کمیٹی کے خلاف تادیبی کارروائی کو غلط ٹھہراتے ہوئے دستور جماعت کے خلاف قرار دیا گیا ہے۔ اس خط کے بعد جماعت اسلامی شدید داخلی بحران سے دوچار ہوگئی یہاں تک کہ مولانا مودودیؒ نے امارت سے استعفادیدیا۔ مگر جماعت کے اکثر ارکان نے مولانا مودودیؒ کا ساتھ دیا اور ستر پچھتر ارکان جماعت کو جماعت سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی۔ صلح و مصالحت کی کوششوں کی ناکامی کے بعد مولانا اصلاحیؒ بھی علیحدہ ہو گئے۔ اس طرح یہ خط جماعت کے اس تاریخی بحران کے اسباب و عوامل کی ایک مستند دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

مولانا مودودی علیہ الرحمہ نے اپنے بعض ایسے اقدامات کو جائز ٹھہرانے کے لئے جن کے سبب بحران پیدا ہوا، ''حکمت عملی'' کی اصطلاح ایجاد کی، جس کی رو سے کسی قائد تحریک اسلامی کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ حالات کے تقاضوں کے تحت وہ کسی ناجائز کو جائز قرار دیدے۔ اس پر مولانا اصلاحیؒ نے مولانا مودودیؒ کی گرفت کی جس کے نتیجہ میں مولانا اصلاحیؒ و مولانا مودودیؒ کے درمیان ایک طرح کی قلمی جنگ چھڑ گئی۔ اس حصہ کے ساتوں مضمون اسی اجمال کی تفصیل ہے۔

تیسرا حصہ ''معاشرہ کی اصلاح کا منہاج'' ہے۔ اس میں کل گیارہ مضامین ہیں جن میں معاشرہ کے فساد، اس کی اصلاح کی ضرورت اور اس کی ممکنہ تدابیر سے بحث کی گئی ہے۔

چوتھے حصہ کا عنوان ہے ''مغربی تہذیب سے مرعوبیت کے اثرات''۔ اس میں صرف دو مضامین ہیں (۱) جدید فلسفہ و سائنس سے مرعوبیت کے اثرات (۲) خاندانی منصوبہ بندی اور مذہب۔ اس دوسرے مضمون میں ایک پاکستانی دانشور ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے ایک مضمون جس میں خاندانی منصوبہ بندی کے حق میں دلائل فراہم کئے گئے تھے، پر سخت تنقید کر کے اس کے تار پود بکھیر دیئے ہیں۔